Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور
Year 2022; Vol 01 (Issue 02)
PP. 23-49 https://journals.gscwu.edu.pk/

حافظہ ماریہ اسلم

لیکچرار اُردو، گورنمنٹ اسوسی ایٹ کالج فار ویمن، مسلم ٹاون راولپنڈی

Hafiza Maria Aslam

Lecturer Urdu, Govt. Associate College for Women, Muslim Town Rawalpindi

کلام انیسؔ میں صنائع معنوی کی حسن کاری

The excellence of Sana'i Manawi in Kalam Anees

Abstract:

Anees is regarded as one of the greatest poets of Urdu Literature. He is widely acclaimed in public, specifically, due to his Marsiya Nigari. SANAYE MA'NVI is profusely used in his poetry. This abundance of SANAYE MANVI integrates a widespread aural and visual pleasantness in his work. The usage of also SANAYE MANVI gave an elegant touch to his poetry. In addition, the usage of SANAYE MANVI assigned a rather aesthetic quality to the meaning of his literary work. This article will explain this effect with the help of various examples. This also increased the symbolic status of the verses of his poetry while also enhancing the charm of the poetry by the induction of individuality and modernity.

صنائع وبدائع کا علم ہی علمِ بدیع کہلاتا ہے۔ علمِ بدیع عربی سے اُردو میں آیا۔ اگر ہم غور کریں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس علم کا تصور انسان نے قرآنِ حکیم سے لیا ہو۔ 'بدیع' یا 'ابداع' خدائے لم یزل کی صفت ہے جو کہ صانع ازل ہے۔ عربی کے صفت مذکر 'بدیع' کے معنی ہیں نادر، انوکھا یا نرالا۔ جب علم بدیع کی بات کی جائے تو صنائع وبدائع کے معانی سے آگہی لازم ٹھہرتی ہے۔ 'صنعت' عربی زبان کے لفظ 'صنع' سے ماخوذ ہے جس کے معنی خوبی کے ہیں۔ صنائع 'صنع' کی جمع ہے یعنی خوبیاں۔ بدائع 'بدع' کی جمع ہے۔ 'بدع' (بدعت) کے معنی نئی بات کے ہیں۔ فیروز الغات میں صنائع بدائع کے معنی کچھ یوں درج ہیں:

"وہ عجیب وغریب باریکیاں جو نظم میں ظاہر کی جائیں۔"[۱]

کلام میں کوئی لفظی یا معنوی پہلو نئے انداز سے بیان کیا جائے تو اس خوبی کو 'صنع' یا 'بدع' کہتے۔ ان ہی لفظی و معنوی خوبیوں کو علمائے بدیع نے صنائع و بدائع کہا ہے۔ محققین نے کتبِ بلاغت میں صنائع و بدائع کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔ پہلا صنائع لفظی اور دوسرا صنائع معنوی۔ حافظ جلال الدین احمد زینبی نے علمِ بدیع کی تعریف ان الفاظ میں کی:

"علمِ بدیع وہ علم ہے جس سے کلامِ فصیح و بلیغ کی لفظی و معنوی خوبیاں معلوم ہو جائیں۔" [۲]

علم بدیع کلام میں حسن تب پیدا کرتا ہے کہ جب شاعر علمِ بیان، علمِ معانی اور فصاحت و بلاغت کا مکمل شعور رکھتا ہو اور انیسؔ کی صنعت گری ان تمام ادبی باریکیوں سے مل کر حسن کاری کے وسیلے فراہم کرتی ہے۔

اُردو شاعری کی تاریخ میں میر انیسؔ کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔ انہوں نے مرثیہ گوئی میں اپنا نام پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میر انیسؔ کو ذہانت اور قادر الکلامی کی صفات سے نوازا اور انہوں نے اپنے ادبی مزاج اور محنت سے خود کو اُردو ادب کے عظیم شعراء کی فہرست میں لا کھڑا کیا۔ اُردو شاعری کی تاریخ میں میر انیسؔ کا خاندان گم نام نہیں بلکہ علم و فضل کے اعتبار سے اسے خاصی اہمیت حاصل ہے۔ انیسؔ کے والد، دو چچا، دادا، پر دادا سب شاعر تھے۔ بچپن ہی سے ایک خاص ادبی و شعری فضا میں رہنے کے باعث ان کے ذہن نے شاعری خصوصاً مرثیہ گوئی کا خالص شعور حاصل کیا۔

انیسؔ نے جس عہد میں شاعری کا آغاز کیا وہ غزل کا دور تھا۔ غزل کے نامور اساتذہ کا طوطی بولتا تھا۔ ایسے میں انیسؔ نے مرثیہ نگاری کے امتیازی اور منفرد فن کو اپنے لیے چنا اور ثابت کر دیا کہ قدرت نے انہیں مرثیہ خوانی کا ہنر عطا کیا ہے۔

میر انیسؔ کی مرثیہ نگاری ہی ان کی اصل پہچان اور کلام کا خاصہ بن کر سامنے آئی لہٰذا میر انیسؔ کی شاعری کو سمجھنے اور کسی بھی حوالے سے اس کا تجربہ کرنے کے لیے اردو مرثیے کے خاص تناظر اور پس منظر کو سمجھنا ناگزیر ہے۔ مرثیے کے معنی و مفاہیم پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کہتے ہیں:

"مرثیہ 'رثی' سے متعلق ہے جس کے لغوی معنی مردے کو رونے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے کے ہیں۔ اصطلاحِ شعر میں اس کو صنف کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی تعریف و توصیف اور اس کی وفات پر اظہارِ ماتم کیا جائے۔ چوں کہ واقعہ کربلا کے بعد شہدائے کربلا کے مراثی دنیا کی مختلف زبانوں میں بکثرت لکھے گئے ہیں اس لیے رفتہ رفتہ مرثیہ کا اطلاق صرف تعریف و توصیفِ شہدائے کربلا اور بیانِ واقعاتِ شہادت پر ہونے لگا۔" [۳]

شاعری کی دوسری اصناف کے ساتھ مرثیے نے بھی عہد بہ عہد ترقی کی منازل طے کیں۔ مرثیے کو وسعت اس وقت ملی جب شاعری اور علم و ادب کا مرکز دہلی سے لکھنؤ میں منتقل ہو گیا۔ آہستہ آہستہ مرثیے کے بند مربع سے مخمس اور مخمس سے مسدس میں بدل گئے۔ مرثیہ نگاری کا مقصد بیان کرتے ہوئے اسد اریب لکھتے ہیں:

”مرثیہ کا مقصد رونا رلانا نہیں، اعلیٰ کرداروں کے اسوۂ حسنہ کو پیش کر کے ان سے محبت دلانا اور اسفل کرداروں کو سامنے لا کر ان سے نفرت دلانا ہوتا ہے لیکن ماہرانہ نفسیات نگاری کے سبب سے اگر کلام میں ایسا اثر پیدا ہو جائے کہ سننے والے رونے لگیں تو یہ مرثیہ کا ایک حسن ہے غایت نہیں۔“[۴]

میر انیسؔ کے پاس بڑی بات کو بڑے الفاظ میں بیان کرنے کی صلاحیت نہ ہوتی تو لوگ ان کے چند مراثی ہی سے اکتا جاتے۔ ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ و مہارت کے ساتھ، سینکڑوں بار اس طرح بیان کرنا کہ اصل واقعہ اور اس کی سچائی ذرہ بھر متاثر نہ ہو، ایک بہت بڑا کمال ہے۔ یہ ندرت و جدت انیسؔ کو ان کی علمیت کے سبب ملی۔ اس بارے میں نیر مسعود کا ایک بیان دیکھیے:

”انیسؔ کی علمی استعداد بہت اچھی تھی۔ عربی زبان، اس کے صرف و نحو اور معنی و بیان کے مسائل اور ان سے متعلق کتابوں کا بخوبی علم رکھتے تھے۔ ان کے یہاں عربی اقوال و امثال، عربی شاعروں کے حوالے، آیات و احادیث، تفسیر کی کتابوں اور ان کے راویوں کے حوالے وغیرہ موجود ہیں۔۔۔۔۔۔ وہ فارسی کی سادہ و رنگین نثر و نظم لکھنے پر بھی قادر تھے۔“[۵]

انیسؔ کے خصائصِ شعری پر بہت سی معتبر تحقیقی و تنقیدی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ انیسؔ نے مناظر و کیفیات کی تصویر کشی کے ہر موقع کو ایک نئے ڈھنگ سے برتا اور لفظوں سے مصوری کا حق ادا کر دیا ان کے کردار اپنی حیات و جذبات کے مکمل ترجمان ہیں۔ انیسؔ کی عمدہ کردار نگاری کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے وحید اختر لکھتے ہیں:

”اردو شاعروں میں کردار نگاری کا یہ ملکہ، ڈرامائی مواقع کو برتنے کی یہ قدرت نہ انیسؔ سے پہلے کسی کو حاصل ہوئی نہ ان کے بعد۔ انھوں نے ماضی کی باز آفرینی سے اپنے کرداروں کی حیات و سیرت، کردار و عمل کو ہر دور کے لیے زندہ حقیقت بنا دیا۔“[۶]

انیسؔ کے دور میں صنائع و بدائع کا استعمال کامیاب شاعری کا تقاضا تھا۔ اس لیے علم بدیع کے ذریعے انیسؔ اپنی شاعرانہ عظمت کا سکہ جمانا اور شاعرانہ حریفوں کی موجودگی میں اپنی شعری حیثیت کو مضبوط رکھنا چاہتے تھے۔ حالاں کہ صنائع و بدائع کے سہارے سے اپنی عظمت منوانا انیسؔ کو ناپسند تھا اور لفظی شعبدہ بازی کی بیساکھی سے شاعری کا درجہ بلند کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیوں کہ ان کے محاسنِ شعری اعلیٰ ادب کے معیار پر پورا اُترتے تھے۔ صناعی کو برتنے کی انیسؔ نے کوئی وجہ تراشی ہو یا ان کے زورِ بیان ہی سے خود بخود صناعی اشعار میں در آئی ہو، صنعتوں کی بہتات سے ان کے کلام کا حسن متاثر ہونے کی بجائے نکھر کر سامنے آیا ہے۔

اس ضمن میں فرمان صاحب لکھتے ہیں:

”جب ہم ان کے کلام پر علمِ بیان کی روشنی میں نظر ڈالتے ہیں تو صنعتیں خود اُبھر اُبھر کر سامنے آنے لگتی ہیں اور یہ بتانے لگتی ہیں کہ میر انیسؔ نے حسنِ کلام کی تخلیق میں کن

کن اجزا سے کام لیا اور ان اجزا کی فنی ترتیب میں الفاظ کو کس کس طرح برتا ہے۔ الفاظ کا یہ فنی برتاؤ جس پر علمِ بدیع کی اساس ہے اور جو کلام کے ظاہر و باطن دونوں کو حسین بنانے میں مدد دیتا ہے۔ میر انیسؔ کے یہاں ہر جگہ نظر آتا ہے۔"[۷]

صنائع سے کلامِ انیسؔ میں حسن کاری کے حوالے سے فرمان صاحب کا یہ بیان انتہائی جامع نظر آتا ہے۔

کائنات کی تمام حسین اشیاء غیر محسوس طور پر متوازن ہوتی ہیں کیوں کہ حسن کے لیے توازن ناگزیر ہے۔ کسی بھی چیز سے قدرتی تناسب اور موزونیت نکال دی جائے تو وہ چیز اپنا فطری حسن کھونے لگتی ہے۔ بالکل اسی طرح کسی نفسِ مضمون کو آرائش و زیبائش کے ساتھ لفظوں میں ڈھالنے کے لیے ایسی صنائع درکار ہوتی ہیں جو کلام کی دل کشی میں اضافہ کر دیں۔

صنائع کا استعمال کلام کی خوبی اور اصل حسن بن کر اس وقت سامنے آتا ہے کہ جب شاعر کمال مہارت سے اسے برتنے کا سلیقہ جانتا ہو۔ میر انیسؔ نے صنعتوں کا غیر محسوس اور متوازن استعمال کیا۔ انیسؔ نے کسی بھی ایسی صنعت کو اپنے اشعار میں نہیں آنے دیا کہ جو نفسِ مضمون کو متاثر کرے یا ان کی شعری حیثیت کو داغ دار کرنے کا سبب بنے۔ کلامِ انیسؔ میں صنائع کی کثرت پر بات کرتے ہوئے اسد اریب کہتے ہیں:

"صنائع کے اس کثرت سے ہونے کے باوجود اس کا کلام موثر، خوب صورت اور پُر وقار ہے۔ اس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک شاعر کو بڑا شاعر بناتی ہیں۔ اس کی صنعت کاری نے اس کے کلام کو نہ تو حقیقت سے دور کیا اور نہ ہی سادگی سے۔"[۸]

صنائع و بدائع کے برمحل، مسلسل اور متوازن استعمال نے انیسؔ کے مرثیوں کو ایک خاص صوری و صوتی آہنگ عطا کیا ہے۔

اب یہاں کلامِ انیسؔ میں پائی جانے والی ان صنائع معنوی پر بات کی جائے گی کہ جن کا ہونا کلام میں چار چاند لگا دیتا ہے۔

صنعتِ ادماج:

اگر کلام کے دو مفہوم نکلتے ہیں تو اسے صنعتِ ادماج کہہ سکتے ہیں۔ یہ صنعت متحمل الضدین اور قول بالموجب سے بالکل مختلف ہے۔ قول بالموجب میں کہنے کے برعکس معنی لیے جاتے ہیں جب کہ صنعتِ ادماج کلام میں پہلو داری سے پیدا ہوتی ہے۔

مراثیٔ انیسؔ سے ایک مثال دیکھتے ہیں:

خنجر سے لہو حضرتِ یحییٰؑ کا بہایا
کس چاہ میں یعقوبؑ کو یوسفؑ سے چھڑایا

[۹]

اس شعر میں لفظ 'چاہ' کے استعمال سے ایک خاص تاثر اُبھرتا ہے جس سے مصرعِ ثانی معنویت کے دوہرے حسن سے آراستہ بھی ہوا ہے اور اپنے قاری و سامع کو دعوتِ فکر بھی دیتا ہے۔ لفظ 'چاہ' سے دو معنی نکلتے ہیں:

(۱) کنواں (۲) چاہت

یوں مصرعِ ثانی سے ایک پہلو تو یہ نکلتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کو کس کنویں میں پھینک کر ان کا ساتھ حضرت یعقوبؑ سے چھڑایا اور دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ کس چیز کی چاہت میں حضرت یعقوبؑ و یوسفؑ کا ساتھ چھڑایا دیا گیا۔ شعر کے دونوں مصرعوں میں پیغمبروں سے جڑی تلمیحات نے بھی معنویت کو تاریخی رنگ عطا کیا۔ صنائع کے استعمال نے اس شعر کو یہ خاصیت عطا کی کہ سامع اسے سن کر ہوا میں محو نہیں ہونے دے گا اور قاری اس پر سرسری نگاہ نہیں ڈال سکتا۔ باذوق قاری و سامع معنویت کے تہہ تک پہنچ کر رہے گا اور شعر میں یہ کمال صناعی سے پیدا ہوا۔

صنعتِ ارصاد:

جب قاری و سامع کو کلام کا قافیہ پہلے سے معلوم ہو اور شعر سنتے ہی اسے اندازہ ہو جائے کہ قافیہ کیا استعمال ہوا ہوگا تو یہ صنعت ہوگی۔ جو صنائع شعر میں حسن کاری کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ ان میں صنعتِ ارصاد بھی شامل ہے کیوں کہ اگر یہ صنعت برتی گئی ہو ، مکمل شعر سنے یا پڑھے بغیر ہی قاری و سامع مصرعِ ثانی کے اختتام کا اندازہ کر لیتا ہے اور خاص لطف سے شعر سنتا یا پڑھتا ہے۔ اس طرح شعر مکمل سننے یا پڑھنے سے پہلے ہی معنویت کا در وا ہو جاتا ہے اور شاعر داد لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انیسؔ کے ایک سلام میں یہ صورتِ حال نظر آتی ہے۔

؎ مسافرو! شبِ اوّل بہت ہے تیرہ تار

چراغِ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے

[جلد چہارم:۲۵۶]

جس سلام سے یہ شعر لیا گیا ہے اس کے قوافی 'خدا'، 'بلا'، 'ریا' وغیرہ ہیں۔ مصرعِ اولیٰ میں تیرہ و تار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مصرعِ ثانی میں روشنی کا ذکر کیا جائے گا۔ اگر قاری یا سامع کو پہلے مصرعے سے اندازہ نہ بھی ہو تو اس شعر کے دوسرے مصرعے کے پہلے لفظ 'چراغ' سے شعر کے قافیے کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ یوں صنعت کا استعمال شعر کے معنوی حسن میں اضافہ کرتا ہے۔

صنعتِ اطراد:

جب کلام میں کسی کا نام اس کے اجداد کے ناموں کے ساتھ (مرتب یا غیر مرتب) آجائے تو صنعتِ اطراد ہوگی۔ انیسؔ کے ہاں یہ صنعت کثرت سے ملتی ہے۔ مراثیٔ انیسؔ میں خانوادۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شہدائے کربلا کے نام کثرت سے ایک ساتھ لائے گئے ہیں۔ یہ امر قاری و سامع کے مذہبی جذبات میں اضافے کا سبب بنتا ہے اور اسے عقیدت کی خاص کیفیت سے ہم کنار کرتا ہے۔ مراثیٔ انیسؔ سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

؎ زہرا نے تب علیؑ سے کہا یہ بچشمِ تر

کیا عمر ہے حسینؑ کی شاہِ بحر و بر

[جلد دوم، ص:۱۷]

صنعتِ مرکب سے مزین یہ شعر سمعی وبصری حسن کاری کا خوب صورت مظہر ہے۔ صنعتِ اطراد اس شعر کے قاری و سامع کو عقیدت بھرا تاریخی منظر دکھاتی ہے۔ مصرعِ اولیٰ میں 'و' کا استعمال نہ ہونا صنعتِ قطع الحروف الواؤ پیدا کرتا ہے جو حیرت کا موجب ہے۔ 'بر' اور 'تر' میں صنعتِ ردالعجز علی العروض مع التجنیس خطی موجود ہے جو دو متجانس الفاظ میں نقاط کی نشست بدل دینے سے خاص سمعی وبصری تاثر پیدا کرتی ہے۔ 'بحر' اور 'بر' میں صنعتِ تجنیسِ زاید و ناقص (ناقص الاوسط) جلوہ گر ہے جو ان دونوں الفاظ کے اُبھرتے ہی قاری و سامع کو خاص صوری و صوتی آہنگ سے روشناس کراتی ہے۔ یوں اس شعر کی خوب صورتی کی اصل وجہ ہی صنائع معلوم ہوتی ہے۔

صنعتِ مدح الموجہ:

اگر کلام میں کسی بات کی تعریف اس انداز سے کی جائے کہ دوسری تعریف کی وجہ نکل آئے یا پہلی تعریف سے دوسری بار تعریف کا پہلو نکالا جاسکے تو یہ صنعت ہوگی۔ مراثیِ انیسؔ سے ایک مثال پر نظر ڈالتے ہیں:

ہاتھ ایسا جسے ضربِ خدا کہیے تو حق ہے
ضرب ایسی کہ جس ضرب سے دل کفر کا شق ہے

[جلد سوم، ص:۲۷۹]

ہاتھ کو دستِ خدا کہہ کر اس ہاتھ سے لگنے والی ضرب کی تعریف کا پہلو نکالا گیا ہے۔ اس طرح شعر میں صنعتِ مدح الموجہ موجود ہے۔ یہاں کمال یہ ہے کہ شعر میں دو الفاظ 'ایسا' اور 'ایسی' استعمال کر کے قاری و سامع کی توجہ 'ہاتھ' اور 'ضرب' کی طرف یوں کھینچ لی گئی ہے کہ وہ غیر معمولی تعریف کا انتظار کرنے لگے۔ کفر کا دل شق کرنا ضربِ خدا ہی کا کام ہے۔ اس طرح 'ہاتھ' اور 'ضرب' کی انوکھی تعریف سے انیسؔ نے اپنے قاری و سامع کی توقع ٹوٹنے نہیں دی بلکہ صنعت کے استعمال سے شعر میں سحر انگیز حسن پیدا کر دیا۔

صنعتِ الحاق:

اس صنعت کے متعلق رحمت یوسف زئی کہتے ہیں:

> "کل کا جزو سے الحاق اور یہ تعظیم کے لیے کہا جاتا ہے۔ اس صنعت میں چند اوصاف کو ایک شخص میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے جو ایک ہی قبیل سے ہوں۔"[۱۰]

مراثیِ انیسؔ سے مثال دیکھتے ہیں:

مرشد علیؑ امام علیؑ رہنما علیؑ
کشتی علیؑ جہاز علیؑ ناخدا علیؑ

[جلد دوم، ص:۴۱۹]

صنائع کے متوازن اور موزوں استعمال نے اس شعر میں جو دل کش صوری وصوتی آہنگ پیدا کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ 'مرشد'، 'امام' اور 'رہنما' یوں تو الگ مراتب ہیں مگر خصوصیات کے اعتبار سے تینوں منصب ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔ ان تینوں میں سے کسی ایک بھی مقام پر فائز آدمی میں باقی دونوں مراتب والے اوصاف بھی ضرور ہوں گے۔ دوسرے مصرعے میں 'کشتی'، 'جہاز' اور 'ناخدا' کے الفاظ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے منسوب کرنا ان کے رہنمائے اعظم ہونے پر دلیل ہے۔ اس طرح شعر میں صنعتِ الحاق جلوہ گر ہے۔

یہ شعر صنعتِ مرکب سے آراستہ ہے اور چند مزید صنائع کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں بغیر حرفِ عطف کے بہت سے اوصاف کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ سو یہ شعر لان جائنس کی بتائی ہوئی ایک صنعت سے بھی مزین ہے جس کا نام صنعتِ لاعطفی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذاتِ پاک میں بہت سے اوصاف کو اس حکم کے تحت جمع کر دیا گیا کہ یہ مرتبے خاص حضرت علیؓ ہی میں موجود ہیں اور ان ہی کی ذاتِ مبارک سے منسوب ہیں۔ اس طرح شعر میں صنعتِ جمع دیکھنے کو ملتی ہے۔

لفظ 'علیؓ' کی تکرار نے شعر کی خوب صورتی میں کسی مشاطہ کا سا کردار ادا کیا ہے۔ عجز کا لفظ 'علیؓ' شعر کے صدر، حشو، عروض اور ابتدا میں مکرر آیا ہے یوں صنعتِ رد العجز علی التکرار کی چاروں اقسام رد العجز علی الصدر مع التکرار، ردالعجز علی الحشو مع التکرار، ردالعجز علی العروض مع التکرار اور رد العجز علی الابتدا مع التکرار ایک ساتھ نظر آتی ہیں۔ اس تکرار میں ایک عقیدت بھری تاکید پنہاں ہے جو خاص اوصافِ علیؓ کی تائید کرتی ہے۔ یہ تکرار سماعت وبصارت کو بھلی لگتی ہے اور شعر کی معنویت میں زور پیدا کرتی ہے۔

شعر میں ہر منقوط لفظ کے بعد ایک غیر منقوط لفظ لایا گیا ہے۔ لہٰذا یہ شعر اپنے دامن میں صنعتِ خیفا کی خوب صورتی بھی سموئے ہوئے ہے۔ مصرعِ اُولیٰ میں تمام نقطہ دار الفاظ کے نقاط اوپر کی جانب ہیں یوں صنعتِ فوق النقاط نے شعر کو سنوارنے میں اپنا حصہ بھی ڈالا ہے۔ 'کشتی'، 'جہاز' اور 'ناخدا' کا تعلق ایک قبیل سے ہے۔ اس طرح صنعتِ مراعاۃ النظیر کی نظیر آموجود ہوئی۔

اس شعر میں کل کا جزو سے الحاق اس ترتیب سے کیا گیا ہے کہ قاری وسامع انیسؔ کو داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ صنعتِ جمع نے اس شعر میں معنویت کے سچے موتی کمال حسن سے پرو دیے۔ صنعتِ لاعطفی نے مذکورہ اوصاف میں کاملیت کا حسن پیدا کیا اور قاری وسامع کو بتایا کہ حضرتِ علیؓ کی خوبیوں کو کسی دوسرے حرف یا زیر وزبر کی حاجت نہیں۔ رد العجز علی التکرار کی چاروں اقسام اس شعر میں پر کشش صوری وصوتی آہنگ پیدا کرتی ہیں۔ قاری کی دلچسپی کے لیے دو صنائع لفظی نے خاص طور پر شعر میں جگہ لی ہے۔ صنعتِ خیفا اور صنعتِ فوق النقاط کی شرائط پر پورا اُترتے ہوئے یہ شعر لفظی حسن کی دولت سے مالا مال نظر آتا ہے۔

صنعتِ ایراد المثل یا ارسال المثل:

جب کلام میں ضرب المثل لائی جائے تو یہ صنعت ہوگی۔ مراثیِ انیسؔ سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

؎ چپٹے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی

گرجے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی

[جلد سوم، ص:۵۱]

پہلے مصرعے میں ایک مشہور کہاوت برتی گئی ہے کہ 'چیٹے سانپ کبھی ڈستے نہیں' اور دوسرے مصرعے میں بہت معروف ضرب المثل موجود ہے "جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں" یوں اس شعر میں صنعت ایرادالمثل موجود ہے۔ پہلے مصرعے کے الفاظ 'چیٹے' اور 'جتنے' میں صنعتِ تجنیسِ خطی مشابہ الاعراب ہے۔ عجز کا لفظ 'کبھی' عروض میں مکرر آیا ہے۔ یوں صنعتِ ردالعجز علی العروض مع التکرار کی صورت بھی نظر آتی ہے۔

اگر کسی معروف مقولے کو شعر کے مصرعے کے طور پر برتا جائے تو قاری و سامع کی دلچسپی و توجہ کا باعث بنتا ہے اور نفسِ مضمون سمجھانے میں مدد بھی دیتا ہے۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں صنعتِ ایرادالمثل کا در آنا معنویت کو ایک اچھوتا رنگ دیتا ہے۔ 'کبھی' کی تکرار نے شعر کو معنوی وزن سے نوازا۔ جہاں ردالعجز علی التکرار نے قاری کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کی وہاں تجنیسِ خطی مشابہ الاعراب نے بھی شعر کی صورت میں حسن پیدا کیا۔

صنعتِ استدراک:

صنعتِ استدراک کے متعلق رحمت یوسف زئی کہتے ہیں:

"اس میں کسی بات کو صراحت کے ساتھ کہہ دیا جاتا ہے پھر حرفِ استثنا کے ذریعے اس مفہوم کو اُلٹ دیا جاتا ہے۔" [۱۱]

انیسؔ کے ایک مرثیے سے مثال دیکھتے ہیں:

؎ بے یارو بے رفیق تھا میں بے کس و یتیم
بھائی مجھے نہیں دیا دی دولتِ عظیم

[جلد دوم، ص:۱۱]

شعر کے دوسرے مصرعے میں یہ صنعت ہے۔ پہلے صراحت سے کہہ دیا 'بھائی مجھے نہیں دیا" اور پھر "دولتِ عظیم" کہہ کر 'بھائی' کو اس کے رتبے سے کہیں زیادہ بڑھا دیا۔ یوں بھائی کی اہمیت اور مرتبہ تعظیم میں بدل گئی۔ یہ شعر اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ انیسؔ کے ہاں صناعی نے شعر کے حسن کو جو چار چاند لگائے ہیں ان میں سے ایک کی چمک نے اشعار کے نفسِ مضمون کو روشن کیا ہے اور اس کمال میں حصہ ڈالنے والی ایک صنعت، صنعتِ استدراک ہے۔

شعر کا پہلا مصرع قاری و سامع کے دل میں مظلومیت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور دوسرا مصرع اسی مظلومیت کو رشک میں بدل دیتا ہے۔ یوں صنعت کے استعمال سے شعر کی معنویت میں خوب صورت و منفرد رنگ نظر آتا ہے۔

صنعتِ براعت الاستہلال:

اس صنعت کی بابت رحمت یوسف زئی کہتے ہیں:

”اکثر شاعر یوں کرتے ہیں کہ مثنوی، مرثیہ یا قصیدے کی ابتدا میں ایسا شعر لکھتے ہیں کہ آنے والے مفہوم کا اندازہ ہو سکے۔ اسی کا نام براعت الاستہلال ہے۔“
[۱۲]

مراثیِ انیسؔ کے ابتدا میں تو نہیں لیکن کہیں درمیان میں یہ صنعت ضرور ملتی ہے۔ اس صنعت کی بابت ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ انیسؔ کے مرثیوں میں یہ صنعت منظر نگاری کی عمدہ مہک میں لپٹی صنعتِ سوال و جواب کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے دبے پاؤں داخل ہوتی نظر آتی ہے۔ اس ضمن میں مراثیِ انیسؔ سے لیے گئے دو اشعار دیکھتے ہیں:

؎ یہ سن کے پکارا اسد اللہ کا ضرغام
تم لوگوں میں سردار ہے کون اے سپہ شام
خود جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا وہ خوش انجام
سردار ہوں اس فوج کا حر ہے مرا نام

[جلد چہارم، ص:۲۲]

پہلے شعر میں سوال پوچھا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ، یزیدی لشکر سے مخاطب ہوئے ہیں اور اگلے شعر میں یقیناً ان کے سوال کا جواب دیا جائے گا۔ اس طرح ان اشعار میں صنعتِ براعت الاستہلال ہے۔ سوال و جواب کی جو صورتِ حال نظر آ رہی ہے اس سے اشعار میں صنعتِ سوال و جواب بھی دَر آئی ہے۔

ایک قدرتی امر ہے کہ جب قاری و سامع کے سامنے کوئی سوال اُٹھایا جائے تو وہ جواب کا انتظار کرنے لگتا ہے۔ اگر سوال سلیقے سے پوچھا گیا ہو تو جوابی شعر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ انیسؔ نے جا بجا صنعتِ براعت الاستہلال سے فصیح و بلیغ سوال و جواب کی صورت نکالی ہے۔ ان دونوں صنائع نے ایک ساتھ اشعار میں آ کر وہ حسن پیدا کیا ہے جو قاری و سامع کا دل موہ لے۔

صنعتِ تجاہلِ عارفانہ / شوق المعلوم مساق:

تجاہلِ عارفانہ کے معنی ہیں سب جانتے ہوئے بھی یہ ظاہر کرنا کہ جیسے کچھ معلوم نہ ہو۔ اس صنعت کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ شعر میں تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا گیا ہو تو یہ صنعت ہو گی۔ محققین نے صنعتِ تجاہلِ عارفانہ کا نام شوق المعلوم مساق رکھا ہے کیوں کہ یہ صنعت قرآن پاک میں بھی موجود ہے اس لیے اسے 'تجاہل' کے نام سے موسوم کرنا درست نہیں۔ مراثیِ انیسؔ سے ایک مثال دیکھتے ہیں:

؎ کس معرکے میں تیغ کو تولا نہیں ہم نے
تھا کون سا در بند جو کھولا نہیں ہم نے

[جلد سوم، ص:۲۷۴]

تمام مسلمان آلِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شجاعت سے واقف ہیں۔ جس بہادری سے انہوں نے اسلام کے نام پر لڑی جانے والی تمام جنگوں میں فتح کے جھنڈے گاڑے اور کفر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا وہ ان کی دلیری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس شعر میں صنعتِ شوق المعلوم مساق اپنے خاص سوالیہ انداز کے ساتھ آموجود ہوئی ہے۔

جو صنائع انیسؔ کی فنی عظمت کے ساتھ ان کی علمی استعداد کا منہ بولتا ثبوت ہیں ان میں سے ایک صنعتِ شوق المعلوم مساق بھی ہے۔ یہ صنعت، تلمیحاتِ مقدسہ کا شفاف عکس دکھاتی ہوئی مراثیٔ انیسؔ کا زیور بنتی ہے۔ انیسؔ کے اشعار میں دعوتِ فکر کا حسین رنگ اور تاریخ اسلام پر ان کی باریک نگاہ کی گواہی اس صنعت کے برتنے سے بھی ملی ہے۔

صنعت تجرید:

صنعتِ تجرید مبالغہ آرائی اور حسنِ تعلیل سے مل کر اپنا وجود قائم رکھتی نظر آتی ہے۔ اس صنعت میں ایک چیز کی تعریف سے دوسری چیز حاصل کی جاتی ہے اور ایسا عموماً تب ہی ممکن ہوتا ہے کہ جب ایک چیز کی ایسی مبالغہ آمیز تعریف یا ہجو کی جائے کہ دوسری چیز سے مناسبت بھی قائم رہے اور پہلی تعریف بھی مضبوط ہو جائے۔

مراثیٔ انیسؔ سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

ے ہے گوہر محیطِ فصاحت سخن مرا
گویا ہے موتیوں کا خزانہ دہن مرا

[جلد دوم، ص:۴۲۱]

یہاں شاعرانہ تعلّی جلوہ گر ہے۔ پہلے مصرعے میں سخن کی مبالغہ آمیز تعریف کرکے ایک باکمال صفت بیان کر دی گئی کہ سخن ''گوہر محیطِ فصاحت'' ہے۔ دوسرے مصرعے میں دہن کو ''موتیوں کا خزانہ'' کہہ کر پہلی صفت سے زیادہ بڑی تعریف کو حسنِ تعلیل کے پیرائے میں بیان کرتے ہوئے صنعتِ تجرید برتی گئی ہے۔ صنعت کے استعمال نے شعر کو معنی آفرینی کی دل کشی سے نوازا ہے۔ انیسؔ کے ہاں اس صنعت کے برتے جانے میں معنویت مستحکم ہوتی نظر آتی ہے اور قاری و سامع معنویت کے حسن میں ہمیشہ کھو سا جاتا ہے۔

صنعتِ ترجمۃ اللفظ:

اس صنعت کا نام ہی تفہیم صنعت کا سبب بنتا ہے۔ جب کلام میں دو ایسے الفاظ لائے جائیں جو ایک دوسرے کا ترجمہ کہلانے کے قابل ہوں تو کلام میں صنعتِ ترجمۃ اللفظ ہو گی۔ انیسؔ کی شاعری میں اس صنعت کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔ مراثیٔ انیسؔ سے ایک مثال پر نظر ڈالتے ہیں:

ے لو پند بھی آخر ہے نصیحت بھی ہوئی ختم

حجت مجھے منظور تھی حجت بھی ہوئی ختم

[جلد سوم، ص:۲۷۳]

یہاں 'پند' اور 'نصیحت' کے ساتھ 'آخر' اور 'ختم' میں بھی ترجمۃ اللفظ ہے۔ اس شعر میں صنعتِ ترجمۃ اللفظ کے علاوہ ایک اور صنعت موجود ہے۔ پند، نصیحت اور حجت پر 'ختم' ہونے کا حکم لگا کر ان تینوں چیزوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہاں صنعتِ جمع بھی نظر آتی ہے۔

مرثیوں میں ترجمۃ اللفظ کے برتنے سے انیسؔ کسی خاص پہلو کو اندازِ بیاں کے زور پر منواتے نظر آتے ہیں۔ جب شعر میں کسی ایک بات کو ہم معانی الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہو تو قاری و سامع سمجھ جاتا ہے کہ شاعر کسی بات کی اہمیت کو حسنِ لفاظی سے یوں بیان کرنا چاہتا ہے کہ معنویت اپنے درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ شعر کے صوری و صوتی تاثر کو نکھارنے کے لیے 'تھی' اور 'بھی' میں صنعتِ تجنیسِ خطی مشابہ الاعراب بھی اپنا حصہ ڈالتی نظر آتی ہے۔ نفسِ مضمون کو پختگی کا حتمی حسن عطا کرنے کے لیے صنعتِ جمع آموجود ہوئی۔ یوں صناعی اپنی خوب صورتی شعر کے دامن میں بکھیرتی نظر آتی ہے۔

صنعت تدبیج:

تدبیج کے لغوی معنی ہیں 'آراستہ کرنا' اپنی ہیئت کے اعتبار سے یہ ایک مشکل صنعت ہے۔ اس صنعت میں کنایہ اور تضاد اہم کردار ادا کرتے ہیں کیوں کہ صنعتِ تدبیج میں متضاد رنگوں کا ذکر اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ کنایہ پیدا ہو جائے۔

انیسؔ کے ہاں متضاد رنگوں کا ذکر تو بہت سے اشعار میں ملتا ہے مگر متضاد رنگوں کے ذکر سے کنایہ بہت کم نظر آتا ہے۔ مراثیٔ انیسؔ سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

؎ آلودۂ عرق رُخ پر گرد ہو گیا
آنکھیں تو سرخ ہو گئیں منھ زرد ہو گیا

[جلد سوم، ص:۲۸۷]

دوسرے مصرعے میں سرخ اور زرد دو متضاد رنگوں کے ذکر سے کنایہ پیدا کیا گیا ہے۔ آنکھیں گرد پڑنے سے بھی سرخ ہو سکتی ہیں اور غصّے سے بھی سرخ ہو جاتی ہیں۔ منہ مبارک گرمی و غم کی شدت سے بھی زرد پڑ سکتا ہے۔ چہرے پر پسینہ آنے اور گرد و مٹی جم جانے سے بھی زرد ہو سکتا ہے۔ یوں اس شعر میں صنعت تدبیج ہے۔

متضاد رنگوں کا ذکر قاری و سامع کو اچھا لگتا ہے اور کلام کی گرہ کشائی میں مدد بھی دیتا ہے۔ صنعت میں ملنے والا علامتی تاثر شعر کے اصل حسن کا باعث بنا ہے جو شاید صنعت نکال دینے سے پھیکا پڑ جائے۔ اسی شعر کے الفاظ 'گرد' اور 'زرد' میں پہلے حرف کے اختلاف سے صنعتِ تجنیسِ لاحق الاوّل بھی اپنا جلوہ دکھانے آ گئی ہے۔ صنعتِ تجنیسِ زاید و ناقص (زاید الاوّل) نے 'رُخ' اور 'سرخ'

کے الفاظ کو اپنے رنگ سے رنگ ڈالا۔ یوں ان دونوں لفظی صنائع نے ایک مشکل معنوی صنعت، صنعتِ تدبیج میں اپنی دخل اندازی سے اچھوتی رنگینی پیدا کر دی۔

صنعتِ تشابہ الاطراف:

اس صنعت کے بارے میں ڈاکٹر عاصم ثقلین لکھتے ہیں:

> ''کلام کو ایسے الفاظ پر تمام کرنا جن کے معنی ابتدا میں مذکور بات سے مناسبت رکھتے ہوں یعنی شعر کے دونوں مصرعوں میں الگ الگ ایک دوسرے سے متناسبات کا ذکر کیا جائے۔''[۱۳]

میر انیسؔ کے مرثیے سے اس صنعت کی مثال ملتی ہے:

؎ وہ روئے انور اور وہ ریشِ خضاب دار

ظاہر ہیں اس سے معنیٔ واللیل والنہار

[جلد سوم، ص:۲۸۴]

اس شعر میں صنعت کے ذریعے حضرت حسینؑ کے چہرہ مبارک اور داڑھی مطہر کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ 'روئے انور' کو 'والنہار' اور 'ریشِ خضاب دار' کو 'واللیل' سے نسبت ہے۔ ایک دوسرے سے نسبت رکھنے والی دونوں چیزوں میں سے ہر ایک کا ذکر پہلے مصرعِ اُولیٰ میں کیا گیا اور پھر دوسری بار مصرعِ ثانی میں منسوب کیا گیا۔ اس طرح شعر میں صنعتِ تشابہ الاطراف موجود ہے۔

انیسؔ کے پر جوش لب و لہجے کے ساتھ صنعت تشابہ الاطراف کی آمیزش نے شعر کو معنی آفرینی کی وسعت بخشی ہے۔ موجودگیٔ صنعت سے شعر میں جو حسن پیدا ہوا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مصرعِ اُولیٰ سے قاری و سامع کے ذہن میں مصرعِ ثانی کی بابت جو توقع اُبھرتی ہے اس پر پورا اُترنا انیسؔ ہی کی بلاغت کا وصف ہے۔ شعر کو پڑھ کر شدت سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ صنعتِ تشابہ الاطراف ہی کی دل کشی میں لپٹ کر الفاظ اپنی اصل آگاہی فراہم کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ یعنی صنعت نے اپنی حسن کاری سے شعر کے ابلاغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

صنعتِ تصلیف / تعلّی:

جب کلام میں شاعر اپنی شاعری کی تعریف خود کرے اسے تصلیف یا تعلّی کہتے ہیں۔ انیسؔ کے ہاں یہ صنعت تواتر سے ملتی ہے۔ اس طرزِ خاص سے انیسؔ نے مبالغہ آمیز تعلّی کو برتا ہے کہ قاری و سامع ان کی شاعرانہ عظمت کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مراثیٔ انیسؔ سے اس صنعت کی دو مثالوں پر نظر ڈالتے ہیں:

؎ ماہ کو مہر کروں ذرّے کو انجم کر دوں

گنگ کو ماہرِ اندازِ تکلم کر دوں

[جلد اوّل، ص:۴۰۶]

اس شعر میں بیان کردہ ہر بات مبالغہ آمیز شاعرانہ تعلّی پر مبنی ہے مگر اس مبالغے میں عجیب سا معنوی حسن ہے جو قاری و سامع کو ایک بار اپنے سحر میں ضرور لے لیتا ہے۔ ایسی بعید از حقیقت تعلّی انیسؔ کے ہاں جا بجا ملتی ہے۔ کوئی شاعر کیسا ہی قادر الکلام کیوں نہ ہو 'ماہ کو مہر'، 'ذرّے کو انجم' اور 'گنگ کو ماہر اندازِ تکلم' کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا یہاں مبالغہ کی قسم 'غلو' بھی موجود ہے۔

لطف یہ ہے کہ ایسے اشعار قاری و سامع کے لیے یک بارگی 'غلو' کا تاثر نہیں لاتے بلکہ حقیقت پسندی سے کام لینے والا شخص بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ شاید انیسؔ واقعی ایسا کر سکتا ہو۔ اندازِ بیاں کی یہ خوش سلیقگی بھی صنعت ہی کی مرہونِ منت ہے:

؎ بس اے انیسؔ مرثیہ ہوتا ہے اب طویل

مصرعے ہیں لاجواب تو مضمون بے عدیل

[جلد سوم، ص:۹۶]

یہ تعلّی فقط انیسؔ کو ہی زیبا ہے۔ ان کو اپنے علم و فضل، ذہانت اور شاعرانہ مہارت پر زعم تھا اور اپنی عظمت کے اسی احساس کو جب وہ شعر میں ڈھالتے ہیں تو قاری و سامع ان کی قادر الکلامی کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

انیسؔ اپنے کلام کی بھرپور تعریف کرتے ہیں اور اپنی بڑائی آپ اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ کلام میں ایک منفرد سا حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ صنعتِ تعلّی کے استعمال سے انیسؔ نے بڑے دعوے اور اعتماد سے اپنی شاعری کو داد دی ہے۔ ان کا یہی دعویٰ اور اعتماد اشعار کی معنویت میں جواہر کی سی چمک پیدا کرتا نظر آتا ہے۔

صنعتِ تضاد:

صنعتِ تضاد کلام میں ایسے الفاظ کے استعمال کو کہیں گے کہ جو ایک دوسرے سے متضاد ہوں۔ انیسؔ نے اعلیٰ و اسفل اشخاص میں فرق واضح کرنے کے لیے اس صنعت کا بہت استعمال کیا۔ ان کے ہاں صنعتِ تضاد کی دونوں اقسام تضادِ ایجابی اور تضادِ سلبی کا بارہا استعمال ملتا ہے۔

صنعتِ تضادِ ایجابی:

کلام میں ایک دوسرے کی ضد اور مخالف الفاظ کو اکٹھے لانے سے یہ صنعت ہوتی۔ انیسؔ کے مرثیے سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

؎ اِک نور کو گھیرے ہوئے ظلمت نظر آئی

دن کو شبِ تیرہ کی علامت نظر آئی

[جلد سوم، ص:۲۸۰]

شعر کے مصرعِ اُولیٰ میں 'نور' اور 'ظلمت' متضاد الفاظ ہیں اور مصرعِ ثانی میں 'دن' اور 'شب' تضاد ظاہر کرتے ہیں۔ اس طرح دونوں مصرعوں میں متضاد الفاظ کے استعمال سے معنوی صنعت کے رنگ اُبھرتے ہیں جو قاری و سامع کے سامنے نفسِ مضمون کی تفہیم کا حسن لیے آتی ہے۔ متضاد الفاظ کا استعمال جو صوری و صوتی تاثر پیدا کرتا ہے اس کی بدولت شعر کی خاصیت میں اپنے آپ اضافہ ہو جاتا ہے۔ باشعور قاری و سامع کی توجہ حاصل کرنے میں یہ صنعت کسی مقناطیس کا سا کام کرتی ہے۔

صنعت تضادِ سلبی:

اگر ایک مادے سے مشتق دو الفاظ پہلی بار مثبت اور دوسری بار منفی معنی دے رہے ہوں تو اسے تضادِ سلبی کہا جائے گا۔ مراثیٔ انیسؔ سے ایک مثال پر نظر ڈالتے ہیں:

؎ محسن سے بدی ہے یہی احساں کا عوض واہ

دشمن کے ہوا خواہ ہوئے دوست کے بد خواہ

[جلد اوّل، ص:۲۵]

شعر کے مصرعِ ثانی میں استعمال ہونے والے الفاظ 'ہوا خواہ' اور 'بد خواہ' میں صنعتِ تضادِ سلبی ہے۔

انیسؔ کے ہاں یہ صنعت اچھائی اور برائی میں فرق واضح کرتی نظر آتی ہے۔ صنعت سے معنویت میں موازنہ کن حسن اور الفاظ میں سمعی و بصری رعنائی پیدا ہوتی ہے جو شعر کی اثر آفرینی اور رمزی کیفیت میں خوب صورتی سے اضافہ کر رہی ہے۔

صنعتِ تعجب:

"حدائق البلاغت" اور "بحر الفصاحت" میں اس صنعت کی تعریف اور مثالوں میں فرق پایا جاتا ہے جس سے صنعت کا مفہوم مبہم ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر عاصم ثقلینؔ نے صنعتِ تعجب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> "جب کسی شے کے بیان میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے شاعر کلام میں کسی بات پر تعجب کا اظہار کرے تو اسے صنعتِ تعجب کہا جاتا ہے۔"[۱۴]

مراثیٔ انیسؔ سے ایک مثال دیکھتے ہیں:

؎ خنجر سے وہ گلوئے مبارک جو کٹ گیا

حیرت ہے کیوں ورق نہ زمیں کا اُلٹ گیا

[جلد دوم، ص:۴۲۶]

گلوئے مبارک کے کٹنے پر اس انداز سے تعجب کا اظہار کیا کہ واضح مبالغہ پیدا ہو گیا۔ یوں اس شعر میں صنعتِ تعجب موجود ہے۔ شعر میں صنعت تعجب اور مبالغہ آرائی نے ایک عجیب سی حیران کن کشش پیدا کی ہے۔ دکھ بھرے الفاظ میں ایک گہری عقیدت

ہے جو مبالغے کو بعید از قیاس بات نہیں رہنے دیتی۔ صنعتِ تعجب کے برتنے سے شعر میں جو دل کشی پیدا ہوئی ہے وہ صنعت نکال دینے سے ختم ہو جائے گی۔ شعر کی معنویت میں صناعی کے استعمال نے جو ندرت پیدا کی ہے وہ قاری و سامع کو دکھ اور تحیر کی ملی جلی کیفیات میں ڈال دیتی ہے۔

صنعتِ تقسیم:

صنعتِ تقسیم کا شمار بھی ان صنائع میں ہوتا ہے جو انیسؔ کے ہاں کثرت سے برتی گئی ہیں۔ مراثیٔ انیسؔ میں کئی اشعار ایسے ہیں جن میں ایک ہی قبیل کی مناسبات کو الگ الگ تقسیم کیا گیا ہے اور یہی صنعت تقسیم کی اوّلین شرط ہے۔ اس صنعت کی تعریف میں ڈاکٹر عاصم ثقلین کہتے ہیں:

> ”کلام میں جب چند چیزوں کا اس طرح ذکر کیا جائے کہ ہر ایک کے ساتھ اس کے منسوبات کا بھی ذکر ہو یعنی جب شاعر چند مختلف اشیاء کے درمیان کچھ اور چیزیں یا کچھ اور امر کو تقسیم کر دے تو اسے صنعتِ تقسیم کہتے ہیں۔“[۱۵]

مراثیٔ انیسؔ سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

؎ کھلا یہ دو رنگی سے برگِ حنا کی

یہ رنگِ حسینؑ اور وہ رنگِ حسنؑ ہے

[جلد سوم، ص:۲۸۴]

حنا کا سرخ رنگ حضرت حسینؑ اور سبز رنگ حضرت حسنؑ سے منسوب کر کے شعر میں صنعتِ تقسیم پیدا کی گئی ہے۔ اس شعر میں معنوی صنعت کا ہونا قاری و سامع کی ساری توجہ اس حسین واقعے کی طرف لے جاتا ہے کہ جب اللہ رب العزت نے اپنے نبیؐ کے نواسوں کو جنتی لباس عطا فرمائے تھے۔ حضرتِ امام حسینؑ کے لیے سرخ جب کہ حضرتِ حسنؑ کے لیے سبز لباس بھیجا گیا۔ انیسؔ نے حنا کے دو رنگوں ’سرخ‘ اور ’سبز‘ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسوں سے منسوب کر دیا۔ یہاں صنعت کی موجودگی انیسؔ کی علمی استعداد کا منہ بولتا ثبوت ہے اور شعر میں معنوی وسعت بھی پیدا کرتی ہے۔ شعر سے معنوی آشنائی ہو جانے کے بعد کھلتا ہوا سرخ اور سبز رنگ تصور میں اُبھرتا ہے جو قاری و سامع کے ذہن پر ایک اچھا تاثر چھوڑ سکتا ہے۔

صنعتِ تلمیح:

جب نظم و نثر میں کسی تاریخی شخصیت، مشہور واقعے یا کردار کی طرف اس طرح اشارہ کیا جائے جسے مکمل طور پر سمجھے بغیر ادب پارے کی تفہیم ممکن نہ ہو تو اسے صنعتِ تلمیح کہتے ہیں۔

انیسؔ کے ہاں صنعتِ تلمیح کی کثرت اس لیے پائی جاتی ہے کہ انہوں نے واقعۂ کربلا کے موضوع پر قلم اُٹھایا اور تاریخ اسلام میں اس سے بڑی تلمیح اور کوئی نہیں۔ اس واقعے سے جڑا ہر فرد ایک تاریخی شخصیت ہے۔ اگر غور کیا جائے تو مراثیٔ انیسؔ میں ایک بڑی

تعداد ایسے اشعار کی ملتی ہے کہ جن کا شمار صنعتِ تلمیح میں ہوتا ہے۔صنعتِ تلمیح کا حامل شعر اصل ابلاغ صرف اس وقت کر سکتا ہے جب قاری و سامع نفس مضمون کی بابت شعور رکھتا ہو۔

انیسؔ کے مرثیے سے لی گئی ایک مثال دیکھتے ہیں:

؎ توڑے دُرِ دندانِ نبیؐ سنگِ جفا سے

مسجد ہوئی تر خونِ سرِ شیر خدا سے

[جلد سوم، ص:۲۷۲]

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں اسلام کے دشمنوں کی طرف سے ڈھائے جانے والے دو بڑے مظالم کا ذکر ہے۔ مصرعِ اُولیٰ میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ غزوۂ اُحد کے دوران حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت مبارک شہید کر دیے گئے تھے اور مصرعِ ثانی میں حضرتِ علی المرتضیٰؑ کی شہادت کا ذکر ہے۔ایک کافر نے زہر آلود تلوار سے شیر خدا کا سر مبارک زخمی کر دیا کہ جب وہ حالتِ سجدہ میں تھے۔یوں اس شعر کے دونوں مصرعوں میں صنعتِ تلمیح موجود ہے۔کسی مکمل واقعے کو ایک مصرعے میں بیان کرنا صنعت برتے بغیر ممکن نہیں۔ شعر کا صنعت سے مزین ہونا قاری و سامع کے لیے آگہی کا وہ حسن پیدا کر رہا ہے کہ جس کے بنا مقصدِ شعر ادھورا رہ جاتا ہے۔یعنی نفس مضمون اور صناعی کا حسن ایک دوسرے میں ضم ہو گئے ہیں۔یوں معنی کی کھوج شعر سننے اور پڑھنے والے کے لیے خود بخود لازم ہو جاتی ہے۔

صنعتِ توجیہہ:

جب کلام میں ایسے الفاظ آجائیں کہ ایک ہی امر کے بارے میں دو مختلف یا متضاد معنی نکلتے ہوں تو صنعتِ توجیہہ ہو گی۔یعنی جب دو ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں کہ دو طرح سے مفہوم سامنے آئے تو اسے صنعتِ توجیہہ کہیں گے۔ انیسؔ کے مرثیے سے اس صنعت کی مثال پر غور کرتے ہیں:

؎ دینِ نبیؐ میں آؤ نہ کافر کا ساتھ دو

دستِ خدا کے لال کے ہاتھوں میں ہاتھ دو

[جلد سوم، ص:۹۳]

مصرعِ اُولیٰ سے دو معنی اخذ کیے جاسکتے ہیں۔پہلا یہ کہ دینِ نبیؐ میں آؤ اور کافر کا ساتھ نہ دو۔ دوسرا یہ کہ دین نبیؐ میں نہ آؤ اور کافر کا ساتھ دو۔اس طرح یہ شعر صنعتِ توجیہہ کی شرط پر پورا اُترتا ہے۔

مصرعِ اُولیٰ میں الفاظ کا چناؤ کچھ ایسا ہے کہ پڑھنے یا سننے والا خود بخود دو معنی نکال سکتا ہے۔ معنویت میں یہ دو رنگی صنعت کی وجہ سے ہے۔ مصرعِ ثانی میں استعمال ہونے والے الفاظ 'دست' اور 'ہاتھ' میں صنعتِ ترجمۃ اللفظ نظر آتی ہے جس نے شعر کو معنوی سطح پر سمعی و بصری حسن دیا کیوں کہ ہم معنی الفاظ کلام کو بلیغ بنا کر قاری و سامع کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔اس شعر میں ایک اور معنوی رمز بھی پوشیدہ ہے۔ حضرت حسینؑ سے لال رنگ کو منسوب کیا جاتا ہے اور مصرعِ ثانی میں 'دستِ خدا کے لال' سے مراد ہے حضرت

حسینؑ کا دستِ مبارک۔ عموماً بیٹے کے لیے لفظ 'لعل' کو استعارہ بنایا جاتا ہے مگر اس شعر میں انیسؔ کے ہاں 'لعل' کی بجائے 'لال' کا لفظ بمعنی بیٹا استعمال ہوا جس کے معنی ہیں سرخ رنگ۔ اب اگر مصرعِ ثانی پر غور کیا جائے تو اس کا مفہوم کچھ یوں بنتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس بیٹے کے ہاتھوں میں ہاتھ دو کہ جس سے لال رنگ کو منسوب کیا جاتا ہے یعنی حضرت امام حسینؑ۔ صنائع کے ساتھ الفاظ کے چناؤ نے بھی شعر کے دل فریب حسن میں اضافہ کیا ہے۔

صنعتِ جمع:

سیّد عابد علی عابد نے اس صنعت کی مختصر اور جامع تعریف کرتے ہوئے کہا:

"کئی چیزوں کو ایک حکم پر جمع کرنا صنعتِ جمع کہلاتا ہے۔"[۱۶]

مراثیِ انیسؔ سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

؎ اُلفت کو مروّت کو محبت کو بھی بھولے
سب ایک طرف امرِ رسالت کو بھی بھولے

[جلد چہارم، ص:۱۷]

یہاں چار چیزوں 'اُلفت'، 'مروّت'، 'محبت' اور 'امر رسالت' کو بھول جانے کا حکم لگا کر جمع کیا گیا ہے۔ اس شعر میں صنعتِ جمع کا جان دار استعمال دیکھنے کو ملتا ہے۔ ایک لفظی صنعت 'تکرارِ بُعد' نے شعر کے لطف کو دوبالا کیا ہے۔ 'کو' بطور 'تکرارِ بُعد' برتا گیا ہے۔ صنعتِ جمع کے ذریعے نہایت خوب صورتی سے ان تمام چیزوں کو یکجا کیا گیا ہے کہ جنہیں بھلا دیا گیا ان ہی تمام چیزوں کی اہمیت باور کرانے کے لیے 'صنعتِ تکرارِ بُعد' اپنے خاص تاکیدی انداز سے اُبھر رہی ہے۔ اس طرح صنائع شعر کو معنوی گہرائی کے اوصاف سے آراستہ کر رہی ہے۔

صنعتِ حسنِ تعلیل:

صنعتِ حسنِ تعلیل کا شمار سب سے مشہور صنائع معنوی میں کیا جا سکتا ہے۔ اس صنعت کے بارے میں سیّد عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"کہنے والا کسی امر کی ایسی وجہ ظاہر کرے جو حقیقت میں اس کی وجہ نہ ہو بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہو یا وہ وجہ نامعلوم ہو۔"[۱۷]

؎ تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب
روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب

[جلد سوم، ص:۳۸]

اس خوب صورت شعر کے دونوں مصرعے صنعتِ حسنِ تعلیل سے مزین ہیں۔ نہر علقمہ کے، خجالت سے آب آب (شرمندہ) ہونے اور ہر قطرۂ حباب کے، پھوٹ پھوٹ کے رونے میں یہ صنعت ہے۔ انیسؔ کا باشعور قاری و سامع یہ شعر سن کر داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حسنِ تخیل کا ایسا بیان کہ نہر کے آب آب ہونے اور پھوٹ پھوٹ کے رونے کی اصل وجہ کوئی حقیقی امر نہیں بلکہ شاعر کا تصور ہے، یہ دل کشی صنعت ہی کی مرہونِ منت ہے۔

اس شعر سے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے جن الفاظ سے صنعتِ حسنِ تعلیل کے سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں ان ہی الفاظ 'آب آب' اور 'پھوٹ پھوٹ' میں صنعتِ تکرارِ مطلق بھی جلوہ گر ہے جو اپنی طرزِ خاص سے الفاظ کو مکرر لاتے ہوئے شعر میں سمعی و بصری حسن بکھیر رہی ہے۔

صنعتِ رجوع:

رحمت یوسف زئی کہتے ہیں:

> ''اس صنعت میں پہلے کسی چیز کی صفت بیان کی جاتی ہے پھر اس صفت سے انکار کیا جاتا ہے اور دوسری صفت بیان کی جاتی ہے جو پہلی صفت سے بہتر ہو۔''[۱۸]

مراثیٔ انیسؔ سے ایک مثال پر نظر ڈالتے ہیں:

؎ چہروں کی روشنی سے خجل کوہِ طور ہے
لشکر نہیں حسینؑ کا دریائے نور ہے

[جلد سوم، ص:۸۸]

یہاں صنعتِ رجوع اس طرح دَر آئی ہے کہ پہلے چہروں کی روشنی کی مبالغہ آمیز تعریف کی پھر لشکر نہیں حسین کا کہہ کر پُر نور چہروں کے ہونے ہی کی نفی کر دی اور پھر لشکر میں موجود چہروں کی تعریف اس انداز سے کی کہ جو پہلی تعریف سے بہتر ہو۔ یوں مصرعِ اُولیٰ سے قاری و سامع یہ اندازہ لگالیتا ہے کہ یہ پُر نور چہرے امام حسینؑ کے ساتھیوں ہی کے ہوں گے۔ مصرعِ ثانی کا پہلا حصہ ''لشکر نہیں حسین کا'' اسے حیرت میں ڈال کر مصرعے کے دوسرے حصے کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور وہ جاننے کے لیے فکر مند ہو جاتا ہے کہ ایسی تعریف اگر لشکر حسینؑ کی نہیں تو پھر کن نورانی لوگوں کی ہو سکتی ہے۔ شعر کا اختتام اس پر معنویت کا اصل دَر وا کرتا ہے۔ شعر میں معنویت کی یہ تہہ داری صنعتِ رجوع سے پیدا ہوئی جو لبادۂ شعر میں نگینے کی مانند معلوم ہوتی ہے۔

صنعتِ سلب و ایجاب:

اس صنعت کے بارے میں رحمت یوسف زئی کہتے ہیں:

> ''سلب و ایجاب میں کلام میں ایک وجہ سے ایک شے کی نفی ہوتی ہے اور اثبات دوسری وجہ سے بیان کیا جاتا ہے۔''[۱۹]

مراثیٔ انیسؔ سے مثال پیش کی جاتی ہے:

؎ اعدا کو نہیں ہے کسی پیاسے سے عداوت
گر ہے تو محمدؐ کے نواسے سے عداوت

[جلد چہارم، ص:۴۹۷]

پہلے مصرعے میں عداوت ہونے ہی سے انکار کر دیا حالانکہ کسی کو گرمی میں پیاسا رکھنا کھلی دشمنی ہے مگر دوسرے مصرعے میں اس عداوت کی وجہ بیان کی اور کہا پیاسوں کو عداوت کی وجہ سے پیاسا نہیں رکھا بلکہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے سے دشمنی کو نبھایا ہے۔ یوں اس شعر میں صنعتِ سلب و ایجاب ہے۔ یہاں صنعت کے برتنے سے یہ حسن پیدا ہوا کہ پہلے مصرعے کو سننے یا پڑھنے والے کے ذہن میں ایک حیرت بھرا سوال اُبھرتا ہے کہ اگر اعدا کو پیاسے سے عداوت نہیں ہے تو پھر پانی بند کیوں کیا گیا۔ دوسرا مصرع اس دشمنی کی وجہ بیان کر کے اسے تاسف بھرا جواب مہیا کرتا ہے۔ اس شعر میں سے صنعت نکال دینے سے نفسِ مضمون خبط ہو کر رہ جائے گا۔

صنعتِ عکس:

صنعتِ عکس کے لیے شرط ہے کہ مکمل مصرع یا اس کا کوئی جزو اُلٹ دیا جائے مگر الفاظ و مفہوم برقرار رہے۔ اس شرط سے واضح ہوتا ہے کہ اس صنعت کا شمار تجنیس یا ردالعجز کے قبیل کی کسی صنعت میں نہیں ہوتا۔

مراثیٔ انیسؔ سے مثال دیکھتے ہیں:

؎ بالا کو پست، پست کو بالا کرے حسینؑ
اِک آن میں ثریٰ کو ثریا کرے حسینؑ

[جلد سوم، ص:۲۲۹]

مصرعِ اُولیٰ کے الفاظ 'بالا کو پست' اور 'پست کو بالا' میں صنعتِ عکس ہے۔ شعر میں دو مزید صنائع بھی اپنے مکمل حسن کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ 'بالا' اور 'پست' میں صنعتِ تضادِ ایجابی ہے۔ 'ثریٰ اور ثریا' میں شبہ اشتقاق سامنے آتا ہے۔

کلامِ انیسؔ میں صنعتِ عکس کی موجودگی نے انیسؔ کے اشعار کو دل کش اور منفرد صوتی و صوری آہنگ بخشا ہے۔ پہلے کچھ چیزوں کو شعر میں مقدم رکھا جائے اور پھر ان کا ذکر موخر لایا جائے اسی طرح موخر الذکر بات کو مقدم لا کر نئے معنی پیدا کیے گئے ہوں تو قاری و سامع شعر کی خوب صورتی میں کھو سا جاتا ہے۔ صنعت کے ذریعے نفس مضمون نکھر کر سامنے آتا ہے اور معنی آفرینی اپنے کمال درجے کو پہنچ جاتی ہے۔ یہ صنعت بظاہر لفظوں کا اُلٹ پھیر معلوم ہوتی ہے مگر معنوی سطح پر باریکی پیدا کرنے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔ جن الفاظ میں صنعتِ عکس کا نقش ملتا ہے ان ہی الفاظ میں صنعتِ تضاد اپنی موازنہ کن صلاحیت کے ساتھ آموجود ہوئی ہے۔

صنعتِ شبہ اشتقاق نے بھی اپنی دل فریب رعنائی سے شعر کا پیکر سنوارا ہے۔ یہ دونوں صنعتیں بھی اپنے دامن میں سمعی و بصری کشش کی خوش بو سموئے ہوئے ہیں۔

صنعتِ کلامِ جامع:

اگر کلام میں دکھ، درد، شکایت، رنج، افسوس، ملال یا اذیت کا ذکر کیا جائے تو یہ صنعت ہو گی۔ یہ ذاتی تکلیف کا اظہار بھی ہو سکتا ہے۔ علمائے بلاغت نے شہر آشوب اور دہر آشوب کی اصناف کو اسی صنعت میں کہا ہے۔ رحمت یوسف زئی نے ملال کے ذکر کے ساتھ دلائل دینے کو بھی اس صنعت کی شرط کہا ہے۔ ان تمام باتوں کی روشنی میں مرثیے کے تمام اشعار تو نہیں لیکن بہت سے اجزا یا حصے اس صنعت کی ذیل میں آئیں گے۔

مراثیِ انیسؔ سے ایک مثال پر نظر ڈالتے ہیں:

؎ فقط حسینؑ کے بچوں پہ بند تھا پانی

بہت قریب تھی وہ نہر قحطِ آب نہ تھا

[جلد سوم، ص:۳۶]

یہ شعر ایک دل خراش دکھ کا ترجمان ہے۔ نہر کی موجودگی، پانی کی دست یابی پر دلالت ہے۔ 'قحطِ آب نہ' ہونے سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ نہر خشک نہیں تھی۔ لشکرِ یزید کی سفاکی اور ظلم کے باعث فقط حضرتِ حسینؑ پاک کے بچوں پر پانی بند کیا گیا۔ بلاشبہ یہ تمام مسلمانوں کا دکھ ہے اور یہ شعر صنعتِ کلامِ جامع کی مضبوط ترین مثال ہے۔

اس صنعت سے مراثی میں پیدا ہونے والی حسن کاری پر غور کیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انیسؔ کے ہاں مرثیہ نگاری کا اصل حسن اس صنعت کے جابجا برتے جانے ہی سے سامنے آیا ہے۔

اس ضمن میں اسد اریبؔ کا ایک بیان دیکھتے ہیں:

> "مرثیہ کا مقصد رونا رلانا نہیں اعلیٰ کرداروں کے اسوۂ حسنہ کو پیش کر کے ان سے محبت دلانا اور اسفل کرداروں کو سامنے لا کر ان سے نفرت دلانا ہے لیکن ماہرانہ نفسیات نگاری کے سبب سے اگر کلام میں ایسا اثر پیدا ہو جائے کہ سننے والے رونے لگیں تو یہ مرثیہ کا ایک حسن ہے غایت نہیں۔"[۲۰]

انیسؔ نے مناظر و کیفیات کی تصویر کشی کے مختلف مواقع پر اس صنعت کو ایک نئے ڈھنگ سے برتا۔ ان کے کلام میں ملنے والا ڈرامائی رنگ، اسی صنعت کا رہینِ منت ہے۔ انہوں نے چند دوسری صنائع برتتے ہوئے لشکرِ یزیدی اور لشکرِ حسینؑ میں ہر پہلو سے فرق واضح کیا اور پھر اپنی نفسیات شناسی کے بل پر اس صنعت کو استعمال کرتے ہوئے قاری و سامع میں جذبات کو یوں اُبھارا کہ وہ شدتِ غم سے رو پڑے۔ اس طرح مراثی کا اصل حسن صنعتِ کلامِ جامع سے نکھرتا ہے۔

صنعتِ لف ونشر:

لف ونشر یعنی کھولنا اور لپیٹنا۔ لف کے معنی ہیں لپیٹنا اور نشر کے معنی ہیں کھولنا۔ صنعتِ لف ونشر کا شمار خوب صورت ترین صنائع معنوی میں ہوتا ہے۔ اس صنعت کے بارے میں ڈاکٹر عاصم ثقلین کہتے ہیں:

> ”صنعتِ لف ونشر سے مراد کلام میں کچھ اشیاء کا ذکر کرنا اور اس کے بعد ان چیزوں کے مناسبات کو بغیر تعین کے بیان کرنا ہے۔“[۲۱]

مراثیٔ انیس میں صنعتِ لف ونشر مرتب اور صنعت لف ونشر معکوس الترتیب کی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔ پہلے لف ونشر مرتب کی مثال پیش کی جاتی ہے:

ے یہ ریشِ مطہر نہیں ہالے میں قمر ہے
ہے صاف ہویدا کہ یہ شب و سحر ہے

[جلد اوّل، ص:۳۴]

یہ شعر حضرتِ حسینؓ مکرم کے چہرۂ پُر نور کی تعریف میں کہا گیا ہے۔ مصرعِ اُولیٰ میں اوّل الذکر چیز ’شب‘ سے منسوب کر دیا۔ مصرعِ اُولیٰ میں چہرہ مبارک کو ’قمر‘ کہہ دیا گیا لیکن مصرعِ ثانی میں چہرۂ اطہر کو ’سحر‘ سے منسوب کر دیا گیا۔ مناسبات کی ترتیب اُلٹ نہیں ہے اس لیے یہاں صنعتِ لف ونشر مرتب پائی جاتی ہے۔

مصرعِ اُولیٰ میں ریشِ حسینؓ پاک کو مطہر کہا پھر اس بات کی نفی کرتے ہوئے ایک اور خوب صورت تعریف کر دی اور ریشِ مبارک کو چاند کا ہالہ قرار دے دیا۔ اس طرح صنعتِ لف ونشر کے پیراہن میں صنعتِ رجوع کی گہری چمک موجزن ہے۔

ان دونوں صنائع معنوی نے شعر کے نفسِ مضمون میں ایک گہری رمز پیدا کی ہے۔ انیس نے چہرۂ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جو استعارے چنے ہیں، سیاہ ریشِ حسینؓ کی جو عمدہ تعریف کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور صناعی منہا کر دینے سے نفسِ مضمون میں یہ دل موہ لینے والی کیفیت باقی نہیں رہے گی۔ انہوں نے چہرۂ اقدس کو بیک وقت قمر اور سحر کہہ دیا، ریشِ پاک کی سیاہی کو خوب صورت رات سے منسوب کیا اور کمال یہ ہے کہ شعر اپنے آغاز ہی سے قاری وسامع کی بھرپور توجہ حاصل کر لیتا ہے کہ اگر ریش، مطہر نہیں تو پھر کیا ہے؟ اس فکر انگیز سوال کا نا صرف مکمل جواب دیا گیا بلکہ صناعی سے انوکھی معنویت پیدا ہوگئی۔ شعر کا آغاز سننے اور پڑھنے والے کو ایک توقع باندھنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ نادر نفسِ مضمون اس پر کھلنے جا رہا ہے اور اختتامِ شعر اس توقع سے وابستہ ہر اُمید پر پورا اُترتا ہے۔

عجز کا لفظ ’ہے‘ عروض اور ابتدا میں مکرر آکر صنعت رد العجز علی العروض مع التکرار اور صنعتِ رد العجز علی الابتدا مع التکرار کی رونمائی کر رہا ہے جس کا سمعی وبصری تاثر بیان کردہ باتوں میں تاکید پیدا کرتے ہوئے ان کی اہمیت پر زور دے رہا ہے۔ اس طرح یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس شعر میں برتی جانے والی صناعی ہی اس کا اصل حسن اور تاثیر ہے۔ اب مراثیٔ انیس سے صنعتِ لف ونشر معکوس الترتیب کی ایک مثال پر غور کرتے ہیں:

؎ مومن کے لیے نور ہے کافر کے لیے نار
یہ رنگ نیا ہے کہیں آتش کہیں گلزار

[جلد سوم، ص:۲۷۷]

یہ شعر اپنے فیصلہ کن اور موازنہ کن انداز میں حضرتِ حسینؑ کریم کی تلوار کے بیان میں آیا ہے۔ 'مومن کے لیے نور' کو 'گلزار' اور 'کافر کے لیے نار' کو 'آتش' سے منسوب کیا گیا ہے۔ شعر میں مناسبات کی ترتیب اُلٹ ہے اس لیے یہاں صنعتِ لف و نشر معکوس الترتیب جلوہ گر ہے۔ اس شعر میں دو اور صنائع بھی موجود ہیں۔ 'نور' اور 'نار' میں صنعت لاحق الاوسط نظر آتی ہے۔ 'نار' اور 'آتش' میں صنعتِ ترجمۃ اللفظ ہے۔

اس شعر میں انیسؔ نے دو الگ چیزیں بیان کر کے ان کی نسبت طے کرنے کے ساتھ معنویت میں یہ عقدہ بھی وا کیا ہے کہ بندۂ مومن کی تلوار حق شناس اور باطل شکن قوت سے آراستہ ہوتی ہے۔ شعر کی تفہیم میں صناعی نے مدد دی ہے اور لفظی و معنوی سطح پر نکھار پیدا کیا ہے۔ جہاں صنعتِ لاحق الاوسط اور صنعتِ ترجمۃ اللفظ اپنی مکمل سمعی و بصری کشش کے ساتھ اپنی جھلک دکھا رہی ہیں وہاں مصرعِ ثانی میں صنعتِ قطع الحرف قطع الواوٴ نے بھی شعر کو اپنا رنگ عطا کیا ہے۔ یوں صنعتِ مرکب سے مزین اس شعر میں صناعی اپنی مکمل رعنائی کے ساتھ آموجود ہوئی ہے۔

صنعتِ مبالغہ:

کسی بات کو اس کی اصل سے زیادہ بڑھا کر بیان کرنا مبالغہ کہلاتا ہے۔ مولوی نجم الغنی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"کسی امر کو شدت اور ضعف میں اس حد تک پہنچا دینا کہ اس حد تک اس کا پہنچنا محال ہو یا بعید ہو تاکہ سننے والے کو یہ گمان نہ رہے کہ اس وصف کا اب کوئی مرتبہ باقی ہے۔"
[۲۲]

یعنی انتہائی مشکل یا ناممکن باتوں کا بیان مبالغہ ہوگا۔ اس کی تین اقسام ہیں:

(۱) تبلیغ (۲) اغراق (۳) غلو

۱۔ تبلیغ:

ایسی بات جو خلافِ عقل اور خلافِ فطرت نہ ہو۔ مراثیٔ انیسؔ سے مثال ملاحظہ ہو:

؎ غل تھا کہ رَن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا
بچوں کو اس انداز سے لڑتے نہیں دیکھا

[جلد سوم، ص:۷۱]

یہ منظر کوئی ان ہونی نہیں ہے۔ ایسا کوئی واقعہ کبھی کبھار دیکھا جاسکتا ہے جس میں کسی کی بہادری سب سے الگ تھلگ ہو۔ لہٰذا یہاں صنعتِ تبلیغ موجود ہے۔ مبالغے کی اس قسم نے شعر کے معانی میں عجب کاملیت کا وصف پیدا کیا ہے۔ گویا بیان کردہ بات اپنے تئیں بے مثال معلوم ہوتی ہے۔ صنعت کے دَر آنے سے منظر نگاری کا حق بھی ادا ہوا ہے۔ اس شعر کے الفاظ 'پڑتے' اور 'لڑتے' میں صنعتِ لاحق الاوّل بھی کسی نگینے کی طرح جڑی نظر آرہی ہے۔ یوں مبالغہ شعر کو بگاڑنے کی بجائے سنوار رہا ہے۔

۲۔ اغراق:

ایسی بات کا بیان کہ جس کو تسلیم تو کیا جاسکتا ہو مگر وہ عموماً مشاہدے میں نہ آتی ہو۔ مراثئ انیسؔ سے ایک مثال دیکھتے ہیں:

؎ سب ساکن افلاک و زمیں کانپ رہے تھے
لرزہ تھا مکانوں کو مکیں کانپ رہے تھے

[جلد سوم، ص:۱۷۲]

ایسے مناظر بس زلزلے کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ لہٰذا یہاں صنعتِ اغراق موجود ہے۔ اس شعر میں صنعتِ اغراق نے کسی خاص صورتِ حال کی منظر کشی میں مکمل مدد کی ہے اور نفسِ مضمون کو اچھوتا رنگ دیا ہے۔ مصرعِ ثانی کے الفاظ 'مکانوں' اور 'مکیں' میں صنعتِ اشتقاق کا ہونا شعر کے سمعی و بصری آہنگ میں خوب صورتی کا باعث بنا ہے۔

۳۔ غلو:

ایسی بات جو خلافِ عقل، خلافِ فطرت اور خلافِ عادت ہو، غلو کہلائے گی۔

مراثئ انیسؔ سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

؎ دوزخ کے شعلوں میں نہ ہوگی لپک ایسی
زائل ہوئی جاتی ہے بصارت چمک ایسی

[جلد اوّل، ص:۴۳۲]

یہ شعر تلوار کی تعریف میں کہا گیا ہے مگر دونوں مصرعوں میں ایسی غیر یقینی بات بیان کی گئی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یوں مبالغے کی قسم غلو کی جان دار مثال دیکھنے کو ملتی ہے۔ صنعت کے برتے جانے سے انیسؔ کے اندازِ بیاں میں یہ حسن پیدا ہوا کہ کہی جانے والی غیر یقینی بات کو بھی سچ مان لینے کو جی چاہتا ہے۔

مراثئ انیسؔ میں صنعتِ مبالغہ کی جو مثالیں ملتی ہیں ان کی بابت یہ بات بہت اہم ہے کہ انیسؔ نے واقعاتی تصویریں پیش کرنے، حقِ مصوری ادا کرنے، محاکات نگاری اور تصویر کشی کو پختگی کا حسن عطا کرنے اور مرقع نگاری کو ایک "مسلسل اور مستقل عمل" بنانے کے لیے کمال اور بے مثال مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے جس پر یقین کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یوں صنعتِ مبالغہ نے مراثئ انیسؔ کو عجب حیرت انگیز حسن عطا کیا ہے۔ شاید اسی لیے ان کی بنائی ہوئی لفظی تصویریں اپنی اصل سے کہیں زیادہ زندہ اور جان دار نظر آتی

ہیں۔ سچائی میں مبالغے کی آمیزش نے جو منفرد دل کشی پیدا کی ہے وہ واقعہ نگاری میں جان دار عقیدت ڈال دیتی ہے۔ شاید اسی لیے فرمان صاحب نے انیسؔ کی واقعہ نگاری کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"میر انیسؔ کی واقعہ نگاری کا حسن معراجِ کمال کو پہنچ گیا ہے۔"[۲۳]

صنعتِ مذہب فقہی:

اس صنعت کو رحمت یوسف زئی نے یوں بیان کیا ہے:

"کل سے جزو پر یا جزو سے کل پر قیاساً دلیل لانے کو مذہب فقہی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی چیز سے دلیل لے کر کسی اور بات کو مضبوط کیا جانا بھی اسی صنعت کے ذیل میں آئے گا۔"[۲۴]

انیسؔ کے سلام سے اس صنعت کی مثال پیش کی جاتی ہے:

؎ حسینؑ تیغوں کے آگے سے کس طرح ہٹتے
بڑھا کے پیچھے قدم پیشوا نہیں رکھتے

[جلد چہارم، ص:۲۵۶]

اس خوب صورت شعر میں دوسرے مصرعے کو پہلے مصرعے کی دلیل بنایا گیا ہے۔ سو یہاں صنعتِ مذہب فقہی موجود ہے ۔ شعر میں دلیل کا ہونا نفسِ مضمون میں وزن پیدا کرنے کا سبب بنا ہے۔ صنعت نے انیسؔ کے الفاظ میں ایسا زور پیدا کیا کہ جس کے بل پر شعر واقعۂ کربلا کی اصل غرض وغایت کا عکاس بن گیا۔ شعر کی معنویت میں صنعت کے ہونے سے ایک لازوال حسن پیدا ہوا ہے۔

صنعتِ مذہب کلامی:

رحمت یوسف زئی کہتے ہیں:

"اس صنعت میں کلام کو دلیل سے ثابت کیا جاتا ہے۔ یہ صنعت حسنِ تعلیل سے قریب ہے لیکن اس اعتبار سے فرق ہے کہ حسنِ تعلیل میں علت بیان کی جاتی ہے۔]"۲۵]

کلامِ انیسؔ سے اس صنعت کی مثال پر نظر ڈالتے ہیں:

؎ اس فصل میں ہے رخصتِ فرزندِ پیمبرؐ
جن روزوں پکھیرو بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر

[جلد چہارم، ص:۹]

پہلے مصرعے میں 'رخصتِ فرزندِ پیمبرؐ' میں سختی کی دلیل دی ہے۔ یوں اس شعر میں صنعتِ مذہب کلامی موجود ہے۔ شعر کے لفظوں میں صنعت کا ہونا لاجواب نکھار لایا ہے۔ یہاں لشکرِ امام حسین کی ہمت و حوصلے پر استدلال ہے جو قاری و سامع پر عظمتِ امام حسینؑ کا ایک دَر وا کرتے ہوئے اثر انگیزی کی معطر فضا قائم کر دیتا ہے۔

صنعت مراعاۃ النظیر:

صنعتِ مراعاۃ النظیر کو تناسب، توفیق، ایتلاف یا تلفیق بھی کہا جاتا ہے جب کلام میں ایسے الفاظ دَر آئیں جو ایک ہی قبیل سے تعلق رکھتے ہوں یا ان الفاظ کی آپس میں مناسبت ہو تو اسے مراعاۃ النظیر کہیں گے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ الفاظ میں موجود نسبت تقابل اور تضاد کے علاوہ ہو۔

مراثیٔ انیسؔ سے اس صنعت کی مثال ملاحظہ ہو:

ے ہر بحر میں طوفان تھا ہر بر میں تلاطم
تھا شور جزیروں میں سمندر میں تلاطم

[جلد سوم، ص:۲۷۱]

اس شعر میں استعمال ہونے والے الفاظ 'بحر'، 'بر'، 'تلاطم'، 'جزیروں' اور 'سمندر' میں صنعتِ مراعاۃ النظیر ہے۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ شعر میں ایک ہی قبیل کے الفاظ یکجا ہو جائیں تو قاری و سامع کی توجہ حاصل کرنے کا سبب بنتے ہیں اور اسے ہر لفظ کے معانی و مفاہیم پر الگ الگ غور کرنے کی تحریک ملتی ہے۔ اس صنعت کا دَر آنا کلام میں عجب نیرنگی اور اثر آفرینی کا باعث بنتا ہے۔

کلامِ انیسؔ میں کچھ صنائع معنوی کثرت سے برتی گئی ہیں جیسا کہ صنعتِ اطراد، تجاہلِ عارفانہ، صنعتِ ترجمۃ اللفظ، صنعتِ تضاد، صنعتِ تلمیح، صنعتِ کلامِ جامع، صنعتِ مبالغہ اور صنعتِ مراۃ النظیر۔ ان کے علاوہ انیسؔ کے یہاں جو صنائع معنوی موجود ہیں ان میں صنعتِ ادماج، صنعتِ ارصاد، صنعتِ مدح الموجہ، صنعتِ الحاق، صنعتِ ایراد المثل، صنعتِ استدراک، صنعتِ براعت الاستہلال، صنعتِ تجرید، صنعتِ تدبیج، صنعتِ تشابہ الاطراف، صنعتِ تعلی، صنعتِ تعجب، صنعتِ تقسیم، صنعتِ توجیہہ، صنعتِ جمع، صنعتِ حسنِ تعلیل، صنعتِ رجوع، صنعتِ سلب و ایجاب، صنعتِ عکس، صنعتِ لف و نشر، صنعتِ مذہب فقہی، صنعتِ مذہب کلامی شامل ہیں۔

بعض صنائع معنوی کی طرف انیسؔ نے توجہ نہیں کی اور ان کی مثالیں کلامِ انیسؔ سے نہیں مل پائیں۔ جیسا کہ صنعتِ تاکید المدح بماشبہ الذم، صنعتِ تاکید الذم بماشبہ مدح، صنعتِ ہجوِ ملیح، صنعتِ تفریق، صنعتِ جمع و تفریق و تقسیم، صنعتِ مشاکلہ، صنعتِ قول بالموجب، صنعتِ ذو ثلثہ، صنعتِ استخدام، صنعتِ اتفاق اور صنعتِ اتباع۔ انیسؔ کا زیادہ تر کلام مراثی پر مشتمل ہے اور مراثی میں ان صنائع کے استعمال کا موقع مشکل سے ملتا ہے۔

کلامِ انیسؔ میں نظر آنے والے صنائع معنوی میں کہیں بھی شعر سے بے لطف کر دینے والا تصنع ظاہر نہیں ہوتا۔ ان کے ہاں پائے جانے والے صنائع معنوی میں کوئی ایک صنعت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جس کے شعر میں ہونے سے ذہن کسی غیر متعلق مفہوم و

معنی کی طرف منتقل ہو جائے۔ عموماً صنائع معنوی کے اشعار میں در آنے سے بیان میں اُلجھاؤ آجاتا ہے مگر انیسؔ نے معنوی صنعتوں کو اپنے اظہار کی رکاوٹ نہیں بننے دیا۔

بلاغت کا اصل تعلق معانی سے ہوتا ہے۔ کلامِ انیسؔ میں صنائع معنوی کی کثرت نے بلاغت کی تمام شرائط و ضوابط کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ لفظوں کی گھمن گھیریوں میں پھنس کر معنی کو پس پشت ڈال دینے والوں میں انیسؔ کا شمار نہیں ہوتا۔ کثرتِ صناعی نے کلامِ انیسؔ میں اثر انگیزی، معنی آفرینی اور اصلیت کو ذرّہ بھر متاثر نہیں کیا بلکہ خصائصِ شعری میں خوب صورت اضافہ کیا ہے

حوالہ جات

۱۔ الحاج مولوی فیروز الدین، مرتبہ، "فیروز و الغات اردو جامع"، فیروز سنز لاہور، بارِ اول ۲۰۱۰ء، ص:۸۶۸

۲۔ عابد علی عابد، سید، "البدیع"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۳۹

۳۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، "لکھنؤ کا دبستانِ شاعری" غضنفر اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۸ء، ص:۱۱۷

۴۔ اسد اریب، "نقدِ انیس"، جدید بک ڈپو، اردو بازار، لاہور، ۱۹۶۷ء ص:۲، ۳، ۴

۵۔ نیر مسعود، ڈاکٹر، "میر انیسؔ"، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص:۲۹۔۳۰

۶۔ وحید اختر، "انیسؔ کی سیرت نگاری"، مشمولہ "انیسؔ شناسی"، مرتبہ: گوپی چند نارنگ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص:۲۱۷

۷۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ''میر انیسؔ حیات اور شاعری''، باب الاسلام پرنٹنگ پریس، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص:۱۱۰۔۱۱۱

۸۔ اسد اریب، ڈاکٹر، ''نقدِ انیسؔ''، جدید بک ڈپو، اُردو بازار، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص:۵۹۔۶۰

۹۔ میر انیسؔ، ''مراثیٔ انیسؔ''، مرتبہ: نائب حسین نقوی امروہوی، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، اشاعت دوم، ۱۹۶۷ء، ص:۲۷۲

۱۰۔ رحمت یوسف زئی، ''اُردو شاعری میں صنائع بدائع''، فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی، لکھنؤ، ۲۰۰۳ء، ص:۳۸۴

۱۱۔ ایضاً، ص:۳۹۰

۱۲۔ ایضاً، ص:۳۷۸

۱۳۔ عاصم ثقلینؔ، ڈاکٹر، ''ارتباطِ حرف و معنی''، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص:۱۱۶

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۲۵

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۳۳۔۱۳۴

۱۶۔ عابد علی عابد، سیّد، ’’البدیع‘‘، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۲۱۳

۱۷۔ ایضاً، ص:۲۱۸

۱۸۔ رحمت یوسف زئی، ’’اُردو شاعری میں صنائع و بدائع‘‘، ص:۴۰۱

۱۹۔ ایضاً، ص:۴۱۸

۲۰۔ اسد اریب، ڈاکٹر، ’’نقدِ انیسؔ‘‘، ص:۱

۲۱۔ عاصم ثقلینؔ، ڈاکٹر، ’’ارتباطِ حرف و معنی‘‘، ص:۱۳۹

۲۲۔ نجم الغنی، ’’بحر الفصاحت‘‘ (جلد دوم)، مقبول اکیڈمی، لاہور، باراوّل، ۱۹۸۹ء، ص:1095

(**نوٹ:** اس تحقیقی مضمون میں شامل بعض صنائع معنوی کی آسان اور جامع وضاحت کے لیے حوالہ جات میں مذکورہ کتب کے علاوہ درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:۔

۱۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، مرتبہ، آفتاب احمد خان، ڈاکٹر، نظرِ ثانی، "کشاف تنقیدی اصطلاحات" ادارۂ فروغِ قومی زبان ۲۰۱۸ء

۲۔ شبلی نعمانی، مولانا، "موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ"، مجلسِ ترقی ادب لاہور ۱۹۶۴ء)

۲۳۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ’’میر انیسؔ حیات اور شاعری‘‘، ص:۱۳۸

۲۴۔ رحمت یوسف زئی، ’’اُردو شاعری میں صنائع و بدائع‘‘، ص:۴۰۸

۲۵۔ ایضاً، ص:۴۰۷